

کیا جدت پسند سائنسدانوں کو قدامت
پسند فلم سازوں میں تبدیل کیا
جاسکتا ہے؟ اس سوال کا مثبت جواب
موٹانا اسٹیٹ یونیورسٹی کے
سائنس اور نیچرل ہسٹری فلم میکنگ
پروگرام کے پاس ہے۔

جون بیورٹھ

لیکن حیوانات اور نباتات کا دلکش بیان ہمیں ختم نہیں ہوتا۔
نارڈن روکی ماؤنٹین رینج کا پورا سلسلہ، جو دونوں پارکوں کو موثر
طور پر مربوط کرتا ہے، قدرتی عجوبات سے لبریز ہے اور آج بھی
ان افراد کا سرتا پانتظر ہے جو انہیں پڑھیں، سمجھیں اور کیمروں
کی آنکھوں میں سمو لیں۔ چنانچہ اپنی نوعیت کے اس اولین فلم
اسکول کے لئے جائے وقوع اور ماحول کوئی مسئلہ نہ تھا۔ اس کے
بجائے درپیش مسئلہ بہت زیادہ بنیادی تھا۔ ڈسکوری چینل کے
لئے قدرتی فلمیں بنانے والے مشاق ڈائریکٹر اور پروڈیوسر، ٹو
بائر کے بقول۔ ”ہمارے سامنے صرف ایک ہی سوال تھا کہ کیا
آپ سائنسدانوں کو صحیح معنوں میں فلم ساز بنا سکتے ہیں؟“

فلم سازی کا ارتقاء

مشہور آفاق ماہر بحریات، جنیکس کوشینو نے ایک بار کہا تھا کہ
سائنسی فلمیں، فطرت کی نیرنگیوں میں ہمیشہ جلوہ گر رہا کرتی ہیں
جن کی کہانی ٹو بائزر کے بقول ”خدا کی بیان کردہ“ ہوتی ہیں۔ ایک
آواز ناظرین کو یہ بتاتی ہے کہ وہ کیا دیکھ رہے ہیں۔ ”اس کا طریقہ
یہ ہے کہ سائیکسٹ و خاموش رہیں اور خدا کے بیان کردہ حقائق کو
سنیں۔“ یہ روایت رہی ہے کہ سائنسدان عام طور پر فلم کو کسی نظریے
کو بیان کرنے کے لئے استعمال کرتے آئے ہیں اور پھر اس
نظریے کی تائید میں مشاہداتی شہادتیں پیش کرتے ہیں۔ اس عمل
کے دوران وہ فلم سازی کے اصل فن کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔
ٹو بائزر وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں، ”اگر آپ کسی سائنسی
فلم کے آخر میں کوئی کوئز حل کرنے کے لئے دیں تو بیشتر سامعین
نا کام ہو جائیں گے لیکن وہ دو یا تین خیال آسانی سے پیش کرنے
کی صلاحیت ضرور رکھتے ہوں گے۔ مشکل یہ ہے کہ سائنسی فلم

امریکہ میں اپنی نوعیت کے منفرد فلم اسکول
برائے سائنس و تاریخ طبیعی کا محل وقوع

غیر معمولی سا لگتا ہے۔ آخر کو، موٹانا کی چوٹیاں اور گیاہستان،
ایسٹ کوسٹ آئی وی لیگ اسکولوں کی نمایاں و شاندار تجربہ گاہوں
یا نیویارک اور لوس انجلس کے ممتاز ترین فلم اسکولوں سے کہیں دور
واقع ہیں۔ تاہم، قدرے قریب سے مشاہدہ کرنے پر، اس بات کا
احساس ہوتا ہے کہ بوزمین میں واقع موٹانا اسٹیٹ یونیورسٹی کا
محل وقوع اس کے مقاصد سے کس قدر ہم آہنگ ہے۔ میڈیا اور
تھیٹر آرٹس کے شعبے میں سائنس و تاریخ طبیعی فلم سازی پروگرام
کے موسس اور ہدایت کار، رونالڈ ٹو بائزر کہتے ہیں، ”اگر آپ کھلی
ہوا میں کلاس لگانا چاہتے ہیں تو موٹانا سے بہتر شاید ہی کوئی جگہ
ہو۔“ امریکہ اور کینیڈا کی سرحد پر واقع یہ ریاست، ملک کا سب
سے زیادہ دیہی علاقہ ہے جو بیسیوں کے ریویڑوں اور امریکہ کے
اصل باشندوں کی اچھی خاصی آبادی کی آماجگاہ ہے۔

بوزمین کا وسیع و عریض قدیم مغربی شہریکو اسٹون ہینٹل پارک
کے شمال میں ۱۳۰ کلومیٹر دور اور گلشیر ہینٹل پارک کی جنوب
مشرقی سمت میں کم و بیش پانچ گھنٹوں کی مسافت پر واقع ہے۔
موخر الذکر دونوں پارک جنگلی زندگی اور جنگلات کے مخزن ہیں
جن کا شمار دنیا کے بہترین مخزنوں میں ہوتا ہے۔ اس پارک کے
احاطہ میں جہاں ایک طرف، بھینس، بارہ سگ، ہرن، مرگ
(ہرن کی ایک قسم)، پہاڑی بکرے، بڑی سینگوں والی بھیڑیں،
بھورے اور کالے بھالو، پہاڑی شیر، بھیڑے اور کوپوٹ (شامی
امریکہ کے بھیڑے) نظر آتے ہیں، وہیں دوسری جانب
فضا میں غول درغول پرندے اور زمین پر اور نہ جانے کتنے جاندار
اپنے رزق کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔

کیا
سائنس
فلم
ساز
بنا
سکتے
ہیں؟

کیا
سائنس
فلم
ساز
بنا
سکتے
ہیں؟

کوٹھار کا گیس جہاں انھیں ایک مقامی تیار "دی پلے آف دی لعل ڈیولز" پر ایک فلم بنانی تھی۔ ان کے لئے یہ تجربہ ایک ثقافتی تجربے سے بھی کچھ سوا تھا۔ یہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے سیاسی بھی تھا۔ میتھیسن کہتی ہیں۔ "یہ تو ہاردر اصل دراندازوں کے خلاف بروگان قبیلے کی جنگ کا جشن ہے جو اپنی حملہ آوروں کے وقت سے منایا جا رہا ہے۔ اس جشن کی قدر و قیمت دور حاضر میں بھی باقی و بر محل ہے کیونکہ اب جنگ ایک ہائیدروالکٹرک باندھ کی سوزہ تعمیر کے خلاف جاری ہے۔ خدشہ ہے کہ یہ باندھ ان کی تمام کچھل اراضی کو تباہ و برباد کر دے گا۔"

حالانکہ یہ دعویٰ قبل از وقت ہوگا کہ بروگان قبیلے کے جشن احتجاج پر مبنی فلم نے باندھ کی تعمیر پر روک لگا دی ہے۔ یقیناً یہ ایک بڑی کامیابی ہے لیکن کامیابی، اس پروگرام کے طلبہ اور گریجویٹس کے لئے باعث حیرت نہیں رہ گئی۔ حالیہ برسوں میں طلبہ کی کاوشات کی، سی بی ایس اور سی این این کی خبری نشریات میں نیز ۶۰ منٹس، لیری کنگ لائیو، نیشنل جیوگرافک اور ڈسکوری چینلوں پر نمائش کی گئی ہے۔

ٹوبائز کے بقول انھوں نے اس بات کا جواب تلاش کر لیا ہے کہ کیا ان کا پروگرام طبیعی سائنس اور سماجی سائنس سے متعلق سائنسدانوں کو فلم ساز بنا سکتا ہے۔ جواب حاضر ہے: وہ بہت اچھے فلم ساز بنائے جاسکتے ہیں۔"

مصنف کا تعارف: جون پورٹھ، بوزمین، مونٹانا ایم ایک پیشہ ور فلم کار ہیں۔ وہ ہکڈ آن دی آؤٹ ڈور اور کاسٹنگ اور ڈریک کے لئے بھی لکھتے ہیں۔

اور پرنسٹن سے آئے ہیں بلکہ یونیورسٹی آف ٹیکساس اور یونیورسٹی آف واشنگٹن جیسی موثر ریاستی یونیورسٹیوں سے بھی آئے ہیں۔ پس منظر میں سٹوڈیو لانے کے لئے اس پروگرام میں بین الاقوامی طلبہ کو بھی شریک کرنے کا منصوبہ ہے۔ ٹوبائز اسے آپس میں متقاطع دو نوجوں والے کسی پروگرام کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔

شاید یہی سبب ہے کہ پروین سنگھ کو ان کی زمرہ طلبہ کی فلم "کیلیگ فیلڈس" پر ایچی انعام مل چکا ہے۔ ان کی یہ فلم ان کے وطن ہندوستان میں آدم خور تیندروں پر مبنی ہے۔ اسی طرح کوریا، تنزانیہ، انگلینڈ، اسکاٹ لینڈ اور آسٹریلیا سے آنے والے طلبہ نے اس پروگرام کو اپنے منفرد تجربات سے زینت بخشی ہے۔

تسخیر حیات

تاہم، مستقبل کے ان تمام فلم سازوں کا تعلق خالص سائنس سے نہیں ہے۔ پروگرام ان لوگوں کی درخواستوں کا خیر مقدم کرتا ہے جو سماجی سائنسوں کی ڈگریاں رکھتے ہیں۔ یہ سہولت، کیلی میتھیسن جیسے وکیل کے لئے نعمت ثابت ہوئی۔ میتھیسن اپنی سابقہ پیشہ ورانہ زندگی کے بارے میں بتاتی ہوئی کہتی ہیں، "میرا پس منظر عوامی مفاد اور ماحولیاتی قانون سے وابستہ ہے۔ لیکن میں نے میڈیا کی طاقت کا اندازہ کیا اور اب ماحولیات کی وکالت کے لئے فلم کا استعمال کرنا چاہتی ہوں۔"

اپنے مقصد کی تکمیل کیلئے، میتھیسن نے گریجویٹ ہونے کا انتظار نہیں کیا۔ پہلے سال کے کلاس روم مشاغل سے فراغت کے بعد سال دوم میں فلم بنانے کی عملی تربیت حاصل کرنے وہ

تصویرات پر نہیں، بلکہ ٹھوس حقائق پر مبنی ہوا کرتی ہے۔" اسی کشمکش کو ٹوبائز "بائیں مغز اور دائیں مغز کے مابین تکرار" کا نام دیتے ہیں۔ دراصل ان اصطلاحات کے ذریعہ وہ اس روایتی حکمت کا حوالہ دیتے ہیں جس کے مطابق سائنسی خیالات و تصویرات بائیں مغز کی دین ہوتے ہیں (جو فطری طور پر باریک ہیں، محتاط اور حساس ہوتا ہے)۔ دوسری جانب فلم سازوں کے بارے میں یہ تصور عام ہے کہ وہ دائیں مغز والے ہوتے ہیں (تخلیقی اور صناعتی)۔ دونوں طرف فکر کے مابین رشتے ہمیشہ کشیدگی کا شکار رہے ہیں۔ ٹوبائز کے بقول، "سائنسدان آنکھوں پر دیوہ غلاف چڑھائے رہتے ہیں اور فلم سازی کا صرف ایک طریقہ جانتے ہیں۔ وہ فلم کی پیچیدگیوں اور اس کے طریقہ استعمال کی باریکیوں کو نہیں سمجھتے۔ اس کے برعکس فلم سازوں نے کمرے کی ایجاد کے بعد سائنس اور تاریخ طبیعی کو نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ نہ تو وہ سائنسی پس منظر رکھتے ہیں اور نہ ہی صحیح سوالات کے پوچھنے کی فہم رکھتے ہیں۔ اس پروگرام کا مقصد دونوں کے درمیان حائل خلیج کو ختم کرنا اور کوئی حل تلاش کرنا ہے۔ سائنسدانوں کو سمجھنے اور انھیں تربیت دے کر فلم ساز بنا دیجئے۔"

اس تین سالہ پروگرام میں شامل ہونے کے لئے طلبہ کے پاس سائنس کے مضمون کا ہونا لازمی ہے۔ لیکن درخواستوں سے اندازہ ہوا کہ ۶۰ طلبہ نے مطلوبہ لازمی استعداد کی حد کو پار کر لیا ہے۔ طلبہ کی مجموعی تعداد میں ۶۰ فیصد کے پاس بیچگری ڈگری ہے اور ۴۰ فیصد نے سائنس کی اعلیٰ ڈگریاں لے رکھی ہیں۔ ان میں ایک میڈیکل ڈاکٹر بھی ہے۔ درخواست دہندگان نہ صرف ہارورڈ، میٹل



گرگ شیندر (دائیں) اور لیبے واٹس، فلم میکنگ پروگرام میں پہلے سال کے طالب علم ہیں۔ ریونو فلیش ایریا، مونٹانا میں پروڈکشن تکنیک کی مشق کرتے ہوئے۔